مقالہ خصوصی
(قسط نمبر ۱)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی *

سائنسی علوم اور قرآن کا نظریہ علم

وحی اور علم میں مطابقت کا ایک حیرت انگیز نظارہ

ایک زمانہ تھا کہ وحی الٰہی کے اثبات کے لئے انبیائے کرام کو حسی معجزات سے نوازا جاتا تھا' تا کہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر وحی الٰہی پر ایمان لاسکیں۔ لیکن موجودہ تجرباتی علوم کے دور میں اس قسم کے معجزات کی اہمیت وافادیت ختم ہوگئی ہے۔ اس لئے عصر جدید میں وحی الٰہی کے اثبات کے لئے قرآن حکیم کے روپ میں ایک ایسا زندہ اور لازوال علمی معجزہ عطا کیا گیا جس کا معجزہ ہونا حیرت انگیز طور پر خود عصر جدید کی تحقیقات وتجربات کے ذریعہ اس طرح ثابت ہو جائے کہ نوع انسانی کو انکار کی مجال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خدائی منصوبے کے مطابق کلام الٰہی کو کائنات کے ایسے اسرار سربستہ کا امین بنایا گیا جن کی صداقت وسچائی آگے چل کر خود انسانی تحقیقات وتجربات اور اس کے مشاہدات و اکتشافات کے ذریعہ ظاہر ہو جائے اور اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہ جائے۔ یہ گویا کہ وحی والہام کے برحق ہونے پر ایک سائنٹفک ثبوت ہے تا کہ اس مظاہر کے ذریعہ وحی اور علم یا ایمان اور عقل میں مطابقت ظاہر ہو جائے اور طبیعیات کا تعلق مابعد الطبیعیات سے کھل کر سامنے آجائے۔ پھر اس کے نتیجے میں تشکیک (اسکیپٹیسزم) ارتیابیت (اگناسٹیزم) اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازیٹیوازم) وغیرہ تمام گمراہ کن فلسفوں کا رد وابطال بھی ہو جائے۔

کیا علم حواس کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے؟

غرض اس مظاہرہ الٰہی کے نتیجے میں جہاں ایک طرف ان تمام قدیم فلاسفہ کا بھی رد ہو جائے جو تجرباتی علم یا استقرائی منطق کو قابل استدلال نہیں مانتے تھے تو دوسری طرف جدید فلاسفہ کا بھی رد ہو جائے جو وحی والہام کو بے بنیاد بتاتے ہوئے صرف تجرباتی علم یا سائنسی بحث وتحقیق کے طور پر ثابت شدہ حقائق ہی کو حجت مانتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اکثر قدیم فلاسفہ حواس کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ فلسفہ تصوریت کی بنیاد ہی یہی ہے کہ ہمیں حواس کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔ افلاطون کا بھی یہ نظریہ تھا کہ محسوسات کی دنیا ایک دھوکہ اور نمائش ہے۔ مگر ارسطو کے نظریئے کے مطابق محسوسات کا وجود حقیقی ہے اور اس مسئلے میں قرآن حکیم بھی اس کا مدعی ہے۔ ورنہ پھر کسی پر بھی حجت ثابت نہیں ہوسکتی۔ جب کہ حقیقت یہ

---

* ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور۔ ۲۹

ہے کہ قرآن حکیم عالم ظواہر کو بطور حجت پیش کرتا ہے اور اس سلسلے میں بیسیوں آیات موجود ہیں' جو اشیائے عالم میں غور وخوض کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اس موقع پر صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے' جس کے مطابق اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں علم کا ایک ماخذ حواس (خصوصاً سمع وبصر) بھی ہے تو اس کا دوسرا ماخذ عقل (فواد) ہے: ان السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسئولا (اسراء ۳۶)

''سمع وبصر اور فواد (دل یا عقل) ہر ایک سے یقیناً باز پرس ہوگی۔''

انہیں دو ذرائع سے استدلالی علم حاصل ہوسکتا ہے جسکے ذریعہ دوسروں پر حجت قائم کی جاسکتی ہے۔ غرض عالم محسوسات دھوکہ نہیں بلکہ علم الاشیاء کی بنیاد واساس ہے اور یہی وہ علم ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارض اور تسخیر اشیاء کی غرض سے عنایت کیا گیا تھا۔ اس آیت کریمہ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

تجربیت میں ارسطو اور جدید سائنس کا فرق؟

ارسطو اگرچہ تجربیت کا داعی تھا' یعنی وہ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ اشیاء کا علم محسوسات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مگر وہ خود اس پر عمل نہ کرسکا اور نہ یونانی فلسفے میں اس کی کوئی ترغیب ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک مغربی مصنف ایڈون اے برٹ اپنی فاضلانہ کتاب ''فلسفہ مذہب'' میں تحریر کرتا ہے کہ ارسطو کی تجربیت اور جدید سائنسی تجربیت میں پانچ حیثیتوں سے فرق ہے۔ چنانچہ اس موقع پر موصوف کی تحریر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا فرق: انسان کے وقوفی اعمال کے مجموعی سیاق میں مدرکات سے صداقت حاصل کرنے کے تجربی علم کے مقام کے تعین میں ارسطو اور جدید تجربیت پسندی میں بہت فرق ہے۔ ارسطو کے نزدیک یہ عمل عقلی تصدیق کی ایک ضروری مگر ابتدائی منزل تھا یعنی اس طرح سے حاصل شدہ علم کی مدد سے منطقی استخراج کے ذریعہ جو حقائق مستنبط ہوتے ہوں ان کو ثابت کیا جاسکے۔ ارسطو کے نزدیک صحیح سائنس کا مقام یہ تھا کہ معلومہ اصولوں سے دیگر قضایا کا باقاعدہ استخراج کیا جائے۔ اشیاء کے ادراک سے ان کی صورت کی وجدانی تفہیم تک پہنچنا سائنس کی ایک ضروری اور ابتدائی منزل ضرور تھی لیکن وہ سائنس کا جصہ نہیں کہلاسکتی۔

دوسرا فرق: اس علمی ماحول کے زیر اثر ارسطو اور اس کے متبعین نے کبھی اس ضرورت کو محسوس نہ کیا کہ وہ تجربی انکشافات کے علم کی رہنمائی کے لئے کوئی مفصل تحفظات ضبط تحریر میں لائیں۔ ان کا خیال تھا کہ ادراک' حافظہ اور عقلی تفہیم کے اعمال خود بخود اس قسم کی رہنمائی کا کام سرانجام دے سکتے ہیں اور اس کیلئے کسی قانون یا ضابطہ بندی کی ضرورت نہیں۔ قدرتی واقعات کے مشاہدات کے علاوہ انہوں نے تجربات کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا ان کے ذہن میں یہ خیال بھی کبھی نہ آیا کہ معلومہ اصولوں سے مستنبط شدہ نتائج کی صداقت کو مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں تصدیق (Verification) سائنسی عمل کا جزو نہیں۔

تیسرا فرق: ارسطو کے متبعین نے (سوائے چند معمولی مستثنیات کے) کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ تجرباتی انکشاف کے نتائج

کے صدق (وکذب) کا انحصار معلومہ مفروضات کی وسعت، میسر سائنسی آلات اور تشریح وتاویل کے مروجہ تصورات پر ہوتا ہے اگر کوئی اصول واضح طور پر سمجھ میں آجاتا تو اس کو مطلقاً صحیح تصور کرلیا جاتا۔ اس میں آئندہ درستی یا اصلاح کے امکان کو تسلیم کرنے کی ضرورت کبھی محسوس نہ کی جاتی۔ عقلی شعور کے عمل کی صداقت گویا مسلم تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک مفکرین غلطی سے مبرا تھے لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ ان کی نگاہ میں عقل کی صلاحیت بہت زیادہ تھی اور اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے اتنے واقف نہیں تھے جتنے کے جدید سائنس داں۔ ان کے نزدیک ان غلطیوں کا وہی مقام تھا جو ہمارے ہاں ریاضیاتی غلطی کی حیثیت ہوتی ہے۔

چوتھا فرق: ارسطاطالیسی تجربیت چند مفروضات پر مبنی تھی۔ ان مفروضات کو تبدیل کئے بغیر اس تجربیت کے مذکورہ بالا نقائص قائم رہنے ضروری تھے۔ اس نفسیاتی نظریئے نے مذکورہ بالا مفروضات کو تسلیم کرنے میں مدد دی کہ علم میں اصلاح وترمیم کی گنجائش نہیں اور تجرباتی انکشافات کی صحیح رہنمائی کے لئے کسی قسم کے تحفظات یا ہدایاتی قوانین کی ضرورت نہیں۔

پانچواں فرق: اصلاح وترمیم کی گنجائش سے انکار کرنے کا ایک اور نتیجہ برآمد ہوا۔ جدید تجربیت اس واقعے کو تسلیم کرتی ہے کہ قوانین فطرت جو ثابت کئے جاچکے ہیں یا آئندہ جو دریافت ہوں گے، ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر مستقبل کے واقعات کی پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور ان کی مدد سے آئندہ پیش آنے والے واقعات پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ارسطاطالیسی تجربیت اس قسم کی پیش گوئی اور واقعات کی ضابطہ بندی اور کنٹرول کے تصورات سے بالکل ناآشنا تھی۔ درحقیقت یونانی ذہن تسخیر کائنات کے تصور سے بالکل ناآشنا تھا اور اسلئے ان کے ہاں عقلیت کے نصب العین میں یہ چیز شامل نہ تھی۔ زمانہ وسطی میں اس طرح کے دینوی مشاغل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ مشاغل اخروی سعادت کے حصول میں سدراہ بنتے ہیں۔ (۱)

مادی فلسفوں کا ابطال

لہذا اسلام نے قرآن حکیم کے ذریعہ تاریخ عالم میں پہلی بار تجربیت کی صدا بلند کی، یعنی تجرباتی سائنس کو فروغ دینے پر زور دیا، جسے یونانیوں نے پوری طرح نظر انداز کردیا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ نہ صرف قدیم فلاسفہ بلکہ جدید فلاسفہ کا بھی ردوابطال ہوجائے۔ قرآن حکیم کے ذریعہ وہ حقائق منظر عام پر آجائیں جن کی پیش خبر کلام الٰہی میں بے شمار آفاقی صداقتوں کے روپ میں پہلے ہی سے درج کردی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعہ ''قرآنی نظریہ علم'' کا اثبات ہو اور اس کے مقابلے میں دیگر تمام غلط اور بے بنیاد نظریہ ہائے علم کا رد ہو۔ اور پھر اس کے نتیجے میں ہر قسم کی بے مہار ''عقلیت'' کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے۔ چنانچہ عصر جدید میں جن مادی فلسفوں نے نوع انسانی کو مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا کر رکھا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

مادیت (مٹیریلزم)، عقل پرستی (انٹلکچولزم) عقلیت (ریشنلزم) مذہب سائنس (سائنٹزم)، ایجابیت (پازیٹیوازم)، اور منطقی اثباتیت (لاجیکل پازیٹیوازم) وغیرہ

قرآن تجرباتی سائنس کا داعی

غرض تجربیت یا تجرباتی سائنس کی بنیاد اسلام ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ طبیعات اور مابعد الطبیعات میں ربط و تعلق ثابت ہو سکے۔ اور اس مظاہرہ کے ذریعہ وہ جدید ترین انتہاء پسندانہ فلسفوں کا بھی بھرپور رد و ابطال کر کے روحانی اقدار کا احیاء کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے ذریعہ تجرباتی سائنس کے فروغ پر زور دیا گیا' جیسا کہ اس سلسلے میں بے شمار قرآنی آیات موجود ہیں۔ بطور مثال اس موقع پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

قل انظروا ماذا فی السمٰوت والارض (یونس:۱۰۱)

''کہدو کہ ذرا غور سے دیکھو تو سہی زمین اور آسمانوں میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟''

ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنهار لایات لاولی الالباب (ال عمران:۱۹۰)

''زمین اور آسمانوں کی خلقت و ہئیت اور دن رات کے ہیر پھیر میں دانش مندوں کیلئے یقیناً بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔''

ان فی السمٰوت والارض لایات للمومنین ۔ وفی خلقکم وما یبث من دابة ایات لقوم یوقنون۔ (جاثیہ:۳۔۴)

''زمین اور آسمانوں میں ایمان والوں کیلئے یقیناً بہت سی نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔''

وفی الارض ایات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ (حم سجدہ:۲۰۔۲۱)

''یقین کرنیوالوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری ہستیوں میں بھی' کیا تم کو نظر نہیں آتا؟''

اولم یرواکیف یبدی الله الخلق ثم یعیده ' ان ذلك علی الله یسیر (عنکبوت:۲۰)

''کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ کس طرح (ہر) مخلوق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ یقیناً یہ فعل اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔''

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ثم الله ینشی النشاة الاخرة' ان الله علی کل شی قدیر (عنکبوت:۲۱)

''کہدو کہ زمین میں چل پھر کر جائزہ لو کہ اس نے مخلوق کو (پہلی دفعہ) کس طرح پیدا کیا؟ پھر اللہ اسی طرح آخرت میں دوبارہ پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین (انعام:۱۱)

''کہدو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (اللہ کی) تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟''

افلم ینظروا الی السمآ فوقهم کیف بنینها وزیناها و مالها من فروج۔ والارض مددناها

والقینا فیھا رو اسی وانبتنا فیھا من کل زوج بھیج ۔ تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب۔ (ق:۶۔۸)

''کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا اور اسے زینت بخشی اور اس میں کوئی رخنہ (کسی طرح کا خلل) موجود نہیں ہے اسی طرح ہم نے زمین کو (اس کی پوری گولائی میں) پھیلایا اور اس میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کے زوج (نر و مادہ پھول) اگا دیئے۔ یہ سب کچھ اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے ہر بندے کے لئے بطور بصیرت اور یاد دہانی ہے۔''

إنما یخشی اللہ من عبادۃ العلمأ (فاطر،۲۸)

''اللہ سے اس کے بندوں میں صرف اہل علم ہی ڈر سکتے ہیں۔''

قاعتبرو ایا اولی الابصار (حشر،۲)

''اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔''

قرآن مجید میں اس قسم کی بے شمار آیات موجود ہیں جو انسان کو علم، عقل اور تفکر و تدبر کے ذریعہ اشیائے عالم کے مشاہدے اور باریک بینی کے ساتھ ان کا جائزہ لینے پر ابھارتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کلام الٰہی میں علم و عقل اور غور و فکر سے کام نہ لینے والوں اور خدا کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں گونگے بہرے اور بدترین چوپاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ان شر الدواب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلون (الانفال:۲۲)

''اللہ کے نزدیک بدترین چوپائے وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔''

والذین کذبوا بایاتنا صم وبکم فی الظلمات (انعام:۳۹)

''اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں (دلائل ربوبیت) کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں جو تاریکیوں میں ہیں۔''

غرض قرآن حکیم آفاق و انفس کی چھان بین کے ذریعہ اس کائنات کی تمام اشیاء کا مطالعہ کرنے اور ان کے سینوں میں ودیعت شدہ عبرتوں اور بصیرتوں سے سبق حاصل کرنے کی دعوت عام دیتا ہے اور جو لوگ ان اسباق و بصائر سے روگردانی کرتے ہوئے اپنے رویہ کو کسی بھی طرح بدلنے پر تیار نہ ہوں انہیں بہائم اور چوپائے قرار دیتا ہے جو کچھ بھی سننے اور سمجھنے پر تیار نہ ہوں اس سے بڑھ کر اسلام کی معقولیت اور کیا ہو سکتی ہے جو اس کائنات کو ایک کھلی کتاب قرار دے کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے؟ لہٰذا اسلام پر بے عقلی یا جمود پسندی کا الزام کسی بھی طرح عائد نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوت فکر وہی دے سکتا ہے جو مظاہر کائنات اور ان کی اندرونی مشنری سے پوری طرح واقف ہو اور جسے اپنے کلام کے غلط ہو جانے کا کسی بھی طرح خدشہ نہ ہو۔

جدید فلسفے پر ایک نظر

بہر حال قرآنی نظریہ علم اور اس کے تصورات علم پر بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتا دیا

جائے کہ خود نظریہ علم اور اس سے مقصود کیا ہے؟ اور فلسفے سے اس کا کیا تعلق ہے؟

فلسفے کی کوئی جامع و مانع تعریف موجود نہیں ہے بلکہ ہر فلسفی نے اپنے اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے اس کی مختلف تعریف کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مظاہر و ظواہر سے بھرپور یہ کائنات ایک بھول بھلیوں کی طرح ہے لہٰذا ایک فلسفی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مادی اشیاء کی حقیقت و ماہیت اور ان کے پس پردہ کارفرما کسی ہستی کے وجود کا پتہ بتلائے جسے علت تکوین یا علت العلل کہا جا سکے۔ اس اعتبار سے افلاطون اور ارسطو سے لے کر بیکن' ڈیکارڈ' کانٹ اور ہنری برگسان وغیرہ تمام قدیم و جدید فلاسفہ کی تگ و تاز کا محور یہ رہا ہے۔

اس موقع پر فلسفے پر کوئی مبسوط بحث کرنا مقصود نہیں' بلکہ یہ بتانا ہے کہ قدیم و جدید فلسفے کے مباحث میں کافی فرق ہے۔ جدید فلسفے کی حسب ذیل تین اہم شاخیں قرار دی گئی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ وجودیات یا وجود کی بحث (اونٹولوجی (۲)) اس کو مابعد الطبیعات (میٹافزکس (۳)) بھی کہا جاتا ہے

۲۔ نظریہ علم (ایپسٹی مولوجی (۴))

۳۔ اقدار (ویلیوز (۵)) کی بحث۔

وجودیات یا مابعد الطبیعیات میں: حقیقت مطلقہ یا وجود حقیقی سے بحث کی جاتی ہے یعنی اس کائنات کی آخری صداقت کیا ہے؟ آیا ایسا کوئی وجود ہے جو ظواہر اشیاء کی ضد ہے؟ نظریہ علم سے مراد یہ ہے کہ علم کی اصل ماہیت کیا ہے؟ اور کیا حقیقت کا علم ممکن ہو سکتا ہے؟ نیز یہ ہے کہ علم کے حدود و ضوابط کیا ہیں اور اس کے ذرائع کیا ہیں؟ موجودہ دور میں اس بحث نے کافی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اور فلسفہ اقدار میں اخلاق' منطق اور جمالیات سے بحث کی جاتی ہے۔ اخلاقیات میں خیر و شر اور خوب و ناخوب وغیرہ زیر بحث آتے ہیں۔ جن کا تعلق انسانی کردار و کریکٹر سے ہے۔

نظریہ علم پر ایک نظر:

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عصر جدید میں نظریہ علم نے جو کروٹ بدلی ہے اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے جس نے مادیت کا جامہ زیب تن کر کے تمام دینی و روحانی اقدار کا انکار کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس کی نظر میں وحی و الہام اور تمام روحانی صداقتیں دقیانوسیت کی نشانی بن کر رہ گئی ہیں۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ نظریہ علم ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جس کو تھیوری آف نالج بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ بطور اصطلاح انیسویں صدی عیسوی میں مشہور ہوئی (۶) نظریہ علم کی مختصر تعریف اس طرح ہے: فطرت کا مطالعہ اور انسانی علم کا جواز۔ (۷) The Study of nature and validity of human knowledge.

اس نظریہ کے مطابق ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فطرت کا علم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ اور اس کے حدود و ضوابط کیا ہیں؟ قدیم یونانی فلاسفہ نے علم' صداقت اور عقیدے کے باہمی تعلقات کی جانچ پڑتال کی تھی۔ نیز انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ کیا علم جاننے والے کے لئے آزادانہ طور پر پایا جاتا ہے؟ تاہم لاک اور کانٹ نے

موتها ' ان فی ذلك لایت لقوم یعقلون (روم:۲۴)

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی خوف اور امید کے طور پر دکھاتا ہے اور اوپر سے بارش برسا کر زمین کو اس کا مردہ ہو جانے کے بعد (دوبارہ) زندہ کر دیتا ہے اس مظہر (خداوندی) میں یقیناً عقل والوں کے لئے (وجود باری کی) نشانیاں موجود ہیں۔''

اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشأ ویقدر ' ان فی ذلك لا یات لقوم یومنون (روم ۳۷)

''کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس باب میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانات باری موجود ہیں۔''

ومن ایاته الیل والنهار والشمس والقمر (حم سجدہ:۳۷)

''رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب (حیرت انگیز نظاموں کی بدولت اس کے نشانیوں میں سے ہیں۔''

ومن ایاته خلق السمٰوت والارض ومابث فیهما من دابة وهو علیٰ جمعهم اذا یشاء قدیر (شوریٰ:۲۹)

''اس کے وجود کی نشانیوں میں سے ہے اجرام سماوی اور زمین کو پیدا کرنا اور ان دونوں میں جانداروں کو پھیلا دینا' وہ (ان دونوں سلسلے کی) عاقل مخلوق کو جب چاہے (کسی ایک مقام پر) جمع کرنے پر قادر ہے۔''

ان آیات میں خطاب اہل علم' اہل دانش اور ایمان لانے کی خواہش رکھنے والوں سے ہے۔ اس طرح قرآن حکیم لوگوں کے جذبات سے نہیں بلکہ ان کی عقل و بصیرت سے اپیل کرتا ہے اور ان کے دل و دماغ کو جھنجوڑتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ پوری سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ ان مظاہر ربوبیت اور انکے نظاموں میں تحقیق و تفتیش کریں۔ کیونکہ نقاش فطرت نے زمین و آسمان اور ان میں موجود اشیاء کا نظاموں کو بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے بلکہ انہیں پوری حکمت اور منصوبہ بندی کے ساتھ وجود میں لایا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وما خلقنا السمأ والارض وما بینهما باطلا ذلك ظن الذین کفروا ۔ (دخان:۲۷)

''ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود چیزوں کو بے کار (بے مقصد) پیدا نہیں کیا۔ یہ تو منکرین خدا کی بدگمانی ہے۔''

وما خلقنا السمٰوت والارض وما بینهما لاعبین . ما خلقنا هما الا بالحق ولکن اکثرهم لا یعلمون ۔ (دخان:۳۸:۳۹)

''ہم نے زمین' اجرام سماوی اور ان کے درمیان موجود چیزوں کو کھیل کود میں پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہم نے ان سب کو حقانیت (منصوبہ بندی) کے ساتھ وجود میں لایا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔''

پہلی بار نظریہ علم کو تمام فلسفیانہ اور سائنسی تحقیق کے لئے بنیادی قرار دے دیا۔ (۸)

اس نظریہ کے فروغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر عقلیت (ریشنلزم) اور تجربیت (ایمپیریسیزم) نے خوب زور پکڑ لیا۔ چنانچہ ہیوم کے نزدیک نا قابل ادراک شے کی قبولیت کے لئے شہادت ضروری ہے۔ لہذا وہ ہر عقیدے پر یقین کے لئے شہادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ (۹) اسی طرح ہربرٹ اسپنسر مابعد الطبعی حقائق کا قائل تو تھا مگر وہ روایتی نظریات کی شہادت کو ناکافی تصور کرتا تھا۔ (۱۰) اور کانٹ کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مابعد الطبعی امور انسانی گرفت میں نہیں آسکتے (۱۱) اس اعتبار سے مذہب اور سائنس کے درمیان اصل تنازعہ ادراک بالحواس کا ہے۔

الغرض اس بحث سے واضح ہو گیا کہ فلسفے کا اصل مقصود حقیقت مطلقہ کا علم حاصل کرنا ہے۔ مگر چونکہ فلسفہ روایتی اقدار اور عقائد کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان کے حجت ہونے پر سوالیہ نشان لگاتا ہے اور تجربیت پر زور دیتے ہوئے صرف حواس کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم ہی کو قابل استدلال مانتا ہے اس لئے جدید فلسفے میں ''نظریہ علم'' نے ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔

عصر جدید میں فرانسس بیکن نے (۱۶۰۰ کے لگ بھگ) یورپ میں پہلی بار ارسطو کے قیاسی فلسفے سے اختلاف کرتے ہوئے استقرائی فلسفے پر زور دیا تھا جس کی بنیاد مشاہدے اور تجربے پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر جدید فلاسفہ نے تجربیت کو پوری طرح اپناتے ہوئے روایتی علوم یا دینیات کا انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ علوم تجربات کے دائرے میں نہیں آتے۔ افلاطون، ارسطو، بیکن اور ڈیکارٹ کے نزدیک مابعد الطبعیات فلسفے کا ایک جزء رہا ہے۔ جب کہ بعض جدید ترین فلسفے جیسے مذہب سائنس (سائنٹزم) اور منطقی اثباتیت (لوجیکل پازیٹیوازم) وغیرہ کے نزدیک طبعیات یا دنیائے مادی کے ماوراء کوئی فوق الطبعی (سوپرنیچرل) ہستی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے فلسفوں کا دعویٰ ہے کہ جو چیز حواس یا محسوسات کے دائرے سے باہر ہو اس کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ اس طرح انہوں نے مابعد الطبعیات کے خلاف ایک جنگ چھیڑ رکھی ہے اور مادی فلسفے وحی والہام کو علم کا ذریعہ نہیں مانتے بلکہ صرف محسوسات کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم ہی کو مستند قرار دیتے ہوئے روایتی عقائد واقدار کو تجربی علوم کی روشنی میں جانچنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

عصر جدید میں سائنس اور فلسفہ دونوں کا مقصد اشیاء کی تہہ تک پہنچ کر صداقت یا حقیقت مطلقہ کی تلاش کرنا ہے مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سائنس اشیاء کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کر کے قریبی علتیں دریافت کرتی ہے جب کہ فلسفہ سائنسی تحقیقات واکتشافات کو بنیاد بنا کر بعید ترین علتوں کی تلاش کرتا ہے اس اعتبار سے فلسفے کا ارتقاء سائنسی ارتقاء کے تابع ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی سائنس کوئی نئی حقیقت دریافت کرتی ہے تو فلسفے کو بھی اپنے نظریات میں ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے سائنس اور فلسفے میں صحیح تال میل قائم رہنا بہت ضروری ہے ورنہ کوئی بھی فلسفہ از کار رفتہ بن کر رہ جائے گا۔

دور قدیم میں سائنس اور فلسفے کے مباحث باہم ملے ہوئے تھے یعنی اس وقت فلسفہ میں سائنس بھی داخل تھی اگر چہ وہ ابتدائی حالت میں تھی۔ مگر دور جدید میں یہ دونوں الگ الگ علوم قرار پا گئے۔ جو مباحث تجربات کے دائرے میں آتے ہوں ان کو سائنس قرار دیا گیا۔ اور جو مباحث تجربات کے دائرے میں نہ آتے ہوں انہیں فلسفہ کہا گیا۔

قرآن عظیم کا نیا معجزہ:

اس پس منظر میں قرآنی نظریہ علم اور اس کے تصورات علم کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اشیاء کے خارجی وجود کے بارے میں اس کا کیا نظریہ ہے؟ محسوسات و معقولات کے ذریعہ کا علم کس حد تک حاصل ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ کیا انسان اپنے مشاہداتی و تجرباتی علم کی رو سے حقیقت حال تک پہنچ سکتا ہے اس بحث سے نہ صرف یہ کہ قدیم و جدید ہر قسم کے بے بنیاد فلسفوں اور نظریوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ جدید مادہ پرست فلاسفہ کے مطالبے کے مطابق مابعد الطبعی حقائق کے وجود پر سائنٹفک ثبوت بھی مہیا ہو جاتا ہے' جو تاریخ فلسفہ مین ایک بالکل انوکھی اور نرالی چیز ہے ایک ایسا ثبوت جس کا انکار مادہ پرست کسی بھی طرح نہیں کر سکتے۔ یہ عصر جدید پر اتمام حجت کے لئے قرآن عظیم کا ایک نیا اور تازہ معجزہ ہے۔ جو سلیم الفطرت انسانوں کی رہنمائی کے لئے بہت کافی ہے اس بحث سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہو جائے گی کہ قرآن عظیم ہر دور کے تقاضوں نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتا ہے اور اس اعتبار سے وہ ہمیشہ تازہ اور سدا بہار رہے گا۔ اس پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں کیونکہ وہ رب العالمین کا کلام اور اس کا علم ازلی کا پرتو ہے۔ جو اس عالم آب و خاک کی ایک ایک چیز اور اس کے ایک ایک بھید سے بخوبی واقف ہے۔ لہذا اس نے اپنے کلام حکمت میں ہر قسم کے ''ذھنی امراض'' سے نپٹنے کا سامان بطور پیش بندی پہلے ہی سے مہیا کر رکھا ہے۔ اس اعتبار سے کلام الٰہی کے علمی اعجاز پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے جو عالم انسانی عبرت و بصیرت کیلئے بہت کافی ہے۔

قرآن کا فلسفہء کائنات

اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نوع انسانی کو غور و فکر اور تعقل و تدبر کے ذریعہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء موجودات کا نہایت درجہ باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے اور مشاہدے و تجربے کے ذریعہ ان میں ودیعت شدہ خدائی اسباق و بصائر کو پوری ایمان داری کے ساتھ بے نقاب کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بعض آیات پچھلے صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں اور کچھ مزید آیات حسب ذیل ہیں:

ومن اياته خلق السمٰوت والارض واختلاف السنتكم والو انكم ان فى ذلك لايات للعالمين (روم:۲۲)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور اجرام سماوی کو پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں میں اختلاف رکھنا۔ یقیناً اس باب میں اہل علم کے لئے (وجود باری کی) نشانیاں موجود ہیں۔''

ومن اٰ ياته يريكم البرق خوفا وطمعا وينزل من السمأ مأ فيحى به الارض بعد

وما خلقنا السمٰوت والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمی ۔ (احقاف:۳)

''ہم نے اجرام سماوی' زمین اور ان دونوں کے درمیان موجودات کو مصلحت کے ساتھ اور ایک وقت مقررہ تک کے لئے پیدا کیا ہے۔''

چنانچہ اس خدائی مصلحت اور ''اجل مسمیٰ'' کی تصدیق وتائید خود سائنسی تحقیقات کے ذریعہ بھی اچھی طرح واضح ہورہی ہیں کہ اربوں کہکشاؤں اور کھربوں کھربوں ستاروں اور سیاروں کی یہ پوری کائنات مستقبل میں باہم ٹکرا کر ختم ہوجائے گی۔ نیز ایک ایسا وقت بھی ضرور آنے والا ہے جب کہ خود ہمارا سورج بھی اپنی روشنی اور توانائی کھوکر بالکل ٹھنڈا یا ''مردہ'' ہوجائے گا اس دن یہ واقعہ ہمارے نظام شمسی کے لئے قیامت کا دن ہوگا۔ (۱۲)

غرض صحیفہ ءفطرت میں ودیعت شدہ اس قسم کی آفاقی نشانیوں کو نظر انداز کر کے آنکھیں موند لینا بڑی ہی محرومی اور بدقسمتی کی بات ہے۔ اس قسم کا رویہ فاسق وبدکردار لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں۔ جو اپنے انجام سے غافل وبے خبر یا حقائق سے آنکھیں چرانے والے ہوں۔

"وکاین من اٰیة فی السمٰوت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (یوسف:۱۰۵)

''زمین اور اجرام سماوی میں ایسی کتنی ہی نشانیاں (وجود باری کے دلائل) ہیں جن پر سے یہ لوگ (منکرین حق) چشم پوشی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔''

وکذالك انزلنا اٰیات بینات وان الله یھدی من یرید۔ (حج:۱۶)

''اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو روشن دلائل کے ساتھ اتارا ہے اور اللہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو (ہدایت کا) ارادہ کرتا ہے۔''

ولقد انزلنا الیك اٰیات بینات وما یکفربھا الا الفاسقون (بقرہ:۹۹)

''یقیناً ہم نے آپ پر (اس قرآن کے ذریعہ) کھلے کھلے دلائل اتار دیئے ہیں جن کا انکار بدکردار لوگ ہی کر سکتے ہیں۔''

افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا او اذان یسمعون بھا فأنھا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ (حج:۴۶)

''کیا انہوں نے زمین کی سیر نہیں کی' تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جن کے ذریعہ وہ (زمین پر موجود مختلف احوال وکوائف کو سمجھتے' یا ان کے ایسے کان ہوتے جن سے وہ (ان حقائق وواقعات کو) سنتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر موجود دل اندھے ہوتے ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ اور ہر دور میں یہ رہی ہے کہ جب منکرین حق مسلسل وپیہم خدائی دلائل وبراہین کو نظر انداز کرتے ہوئے خدائی ہدایت کو خاطر میں نہیں لاتے' بلکہ اپنے علوم وفنون پر فخر کرتے ہوئے پیام الٰہی کو

حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے پھر اچانک انہیں عذاب الٰہی آلیتا ہے پھر وہ کف افسوس مل کر رہ جاتے ہیں لیکن اس وقت کی پشیمانی انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

أفلم يسيروا فى الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم كانوا اكثرمنهم واشد قوة واثار افى الارض فما اغنىٰ عنهم ما كانوا يكسبون ۔ فلما جائتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم وحاق بهم ماكانوا به يستهزئون ۔ فلما راوبا سنا قالوا امنا بالله وحده و كفرنا بما كنابه مشركين ۔ فلم يك ينفعهم ايما نهم لما راء وبأسنا سنت الله التى قدخلت فى عباده وخسر هنالك الكافرون۔ (مومن:۸۲۔۸۵)

''کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی تا کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ اور شدید قوت والے تھے جو زمین میں اپنے آثار و مظاہر چھوڑ گئے ۔لیکن ان کا کسب ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ چنانچہ ہمارے رسول جب ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس چیز کا وہ استہزاد کرتے تھے اس نے انہیں آگھیرا۔ جب انہوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو (بے اختیار) کہہ اٹھے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم خدا کا شریک ٹھہراتے تھے مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی ہے۔ غرض اس وقت منکرین خدا گھاٹے میں رہ گئے۔''

یہ قرآن حکیم کے ''فلسفہ کائنات'' پر ایک اجمالی نظر تھی جس کے ملاحظے سے قرآنی دلائل و براہین کا ایک پورا فلسفہ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ اس کتاب حکمت میں مابعد الطبیعی حقائق اور وحی والہام کے اثبات کے لئے ''طبیعی دلائل'' یا وجود باری کی نشانیوں کا ایک مکمل نظام موجود ہے' جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے اس لحاظ سے اس میں عصر جدید کی بھی مکمل رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا جامع اور مکمل نظام دلائل جو ہر دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہو وہ کسی انسان کا وضع کیا ہوا نہیں ہوسکتا لہذا ہم محض اس جامع نظام دلائل کو دیکھ کر ہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کلام ایک مافوق الطبیعی ہستی ہی کا ہوسکتا ہے' جو انسان نہیں ہوسکتا' چہ جائیکہ اس کے تفصیلی دلائل کا مطالعے سے مادیت کے سارے تار پود بکھیر جاتے ہیں۔ جو اس کی ایک ایک دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہوئے اس کے تمام امراض کی صحیح صحیح تشخیص کرتا اور ہر دور اہے پر میل کے پتھر نصب کر کے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس سے بڑھ کر قرآن عظیم کا علمی معجزہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ چنانچہ آپ اس کتاب حکمت کو کسی بھی حیثیت سے جانچئے وہ ہر اعتبار سے مکمل اور بے عیب دکھائی دے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت سوائے کلام الٰہی کے کسی انسانی کلام میں پائی نہیں جاسکتی کہ زمانہ جیسے جیسے ترقی کرتا جارہا ہے ویسے ویسے صحیفہ الٰہی کے اسرار و عجائب کھلتے جارہے ہیں اور اس کے معانی و مطالب نکھر نکھر کر سامنے آرہے ہیں اور وہ اذکار رفتہ ہونے کے بجائے ہر دم تازہ اور اپٹوڈیٹ نظر آرہا

ہے۔قرآن عظیم کے کلام الٰہی ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا چاہیے؟

سائنس اور فلسفہ قرآن کی نظر میں

اوپر مذکور تمام آیات کے ملاحظے سے یہ بے غبار حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ مظاہر عالم کی چھان بین اور ان کی تحقیق وتفتیش سے جو تکوینی یا طبیعی علم حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعہ خدائی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ لہذا قرآن حکیم کے ذریعہ اس طریقے کے مطابق حصول علم پر زور دیا گیا اور اس طبیعی علم کو دین کی نظر میں قابل استدلال قرار دیا گیا ہے۔اس علم کی پہلی منزل ''نظر'' ہے جس میں بصارت وبصیرت کے ساتھ دیکھنے کے علاوہ غور وفکر کرنے اور کسی چیز کا جائزہ لینے کے بھی ہیں۔نیز اس کے معنی کسی چیز کے جائزے سے حاصل ہونے والے نتیجہ فکر کے بھی ہیں چنانچہ اس سلسلے میں علامہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

النظر تقليب البصر والبصيرة لادراك الشئى ورئويته' وقد يرادبه التأمل والتفحص ۔ وقد يراد به المعرفة الحاصلة بعد الفحص۔ وقوله (قل انظروا ماذا فى السمٰوت) أى تاملوا ۔ (۱۳)

اس اعتبار سے یہ ایک جامع لفظ ہے جس کے مفہوم میں کسی چیز کا بغور مشاہدہ کرنا اور غور وفکر کے ذریعہ اس کی چھان بین کرنا ہے۔چنانچہ کلام الٰہی میں متعدد مقامات پر یہ لفظ منکرین خدا پر بطور حجت لایا گیا ہے مثلاً

قل انظروا ماذا فى السمٰوت والارض ' وما تغنى الايات والنذر عن قوم لايومنون (یونس:۱۰۱)

''کہہ دو کہ ذرا غور سے دیکھو (جائزہ لو) تو سہی کہ زمین اور اجرام سماوی میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟ (لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ) ایمان نہ لانے والوں کیلئے (وجود باری کی) یہ نشانیاں اور ڈراوے کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے۔

اولم ينظروا فى ملكوت السمٰوت والارض وما خلق الله من شئى' وان عسى ان يكون قد اقترب اجلهم ' فبائى حديث بعده' يومنون (۷/اعراف:۱۸۵)

''کیا انہوں نے زمین اور اجرام سماوی کی بادشاہت اور ان میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو بغور نہیں دیکھا (ان کا جائزہ نہیں لیا)؟ اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ ان کا وقت قریب آچکا ہو۔اس (حکیمانہ کلام) کے بعد وہ آخر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟''

غرض ان آیات کی رو سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ قرآن کی نظر میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام مظاہر و موجودات قابل حجت واستدلال ہیں' جو ''طبیعیات'' یا نیچر کے دائرے میں آتے ہیں۔چنانچہ ان مظاہر وموجودات کا تفصیلی علم حواس خمسہ کے ذریعہ مشاہدے اور تجربے کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات علم کی پہلی منزل ہے جب کہ اس کی دوسری منزل تعقل و تفکر ہے۔یعنی مشاہداتی وتجرباتی حقائق کو ترتیب دے کر ان سے منطقی قضایا مرتب کرنا۔بالفاظ دیگر استقرائی معلومات

(سائنسی حقائق) کو مرتب کر کے ان سے دلیل واستدلال کیلئے کلیات وضع کرنا۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کی نظر میں سائنس اور فلسفہ (علم کلام) دونوں معتبر ہیں۔ مظاہر کائنات کی چھان بین اور ان کی تحقیق وتفتیش کرنا ماہرین طبیعات یا سائنس دانوں کا کام ہے جبکہ سائنسی تحقیقات واکتشافات کو بنیاد بنا کر ان سے کلی نتائج اخذ کرنا فلاسفہ یا متکلمین کی ذمہ داری ہے۔

غرض انہی علوم کے حاملین کو قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر اہل علم، اہل دانش، مفکرین، عالم لوگ اور علماً وغیرہ کے خطاب سے نوازا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آفتاب وماہتاب کی چند خصوصیات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے نظاموں میں موجود حقائق کا پتہ چلانے والوں کو ''علم والے'' (لقوم یعلمون) قرار دیا گیا ہے:

هوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنین الحساب ' ماخلق الله ذالك الا بالحق یفصل الایات لقوم یعلمون (یونس:۵)

''وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو۔ یہ سب کچھ اللہ نے مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی آیتیں علم والوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔''

ایک اور موقع پر نباتات میں پائے جانے والے غلوں اور پھلوں کے اختلاف ذائقہ کی طرف خصوصی توجہ مبذول کراتے ہوئے اس عجیب وغریب مظہر ربوبیت میں غور وخوض کرنے والوں کو ''عقل والوں'' کے خطاب سے نوازا ہے۔

وفی الارض قطع متجاورات وجنات من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بمآء واحد ونفضل بعضها علیٰ بعض فی الاکل ' ان فی ذالك لایات لقوم یعقلون (رعد:۴)

''زمین میں کچھ خطے پاس پاس واقع ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور شاخوں دار وغیر شاخوں دار کھجور کے درخت بھی موجود ہیں، ان سب کو ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے۔ لیکن ہم ذائقے میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں (یعنی ان کے ذائقے مختلف بناتے ہیں) یقیناً اس (مظہر ربوبیت) میں عقل مندوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ شہد اور اس کی مکھیوں کے محیر العقول کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے اس باب میں غور وفکر کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے:

واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون . ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربك ذلل یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفآ

للناس ' ان فی ذالك لاية لقوم يتفكرون (نحل:۶۸۔۶۹)

''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو (الہام کے ذریعہ) آگاہ کیا کہ تو اپنے گھر بنا پہاڑوں میں' درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی چھتوں میں ۔ پھر ہر قسم کے پھولوں کو چوستی پھر اور اپنے پروردگار کی آسان راہوں پر چلا کر۔ چنانچہ اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں والا ایک مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاً ہے۔ اس (مظہر ربوبیت) میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے ایک نشانی موجود ہے۔''

ایک اور موقع پر خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرنے والوں کی مثال (اپنی کمزوری میں) مکڑی کے جالے سے مشابہ قرار دیتے ہوئے ان کی مذمت کی گئی ہے پھر اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس قسم کی مثالوں کو صرف ''عالم لوگ'' ہی سمجھ سکتے ہیں:

مثل الذين اتخذوا من دون الله اولياء كمثل العنكبوت ' اتخذث بيتا وإن أوهن البيوت لبيت العنكبوت ' لو كانوا يعلمون ...... وتلك الامثال نصربها للناس' وما يعقلها الا العالمون . (عنکبوت ۴۱:۴۳)

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنایا ہے وہ مکڑی جیسی ہے کہ وہ بھی (ایک طرح کا) گھر بناتی ہے مگر بلاشبہ مکڑی کا گھر تمام گھروں میں سے سب سے زیادہ بودا ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ (اس حقیقت کو) سمجھ سکتے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں مگر ان مثالوں کو صرف عالم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔''

ایک اور جگہ ایک ہی پانی سے رنگ برنگ میوے نکالنے' نیز پہاڑوں' انسانوں اور چوپاؤں میں بھی رنگوں کا اختلاف رکھے جانے کو وجود باری کی دلیل قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ قدرت و ربوبیت کے ان انوکھے نظاروں میں غور وفکر کرنے والوں میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے جو مطالعہ' فطرت کا حاصل اور نتیجۃ النتائج ہے:

الم تران الله انزل من السمآءِ مآءِ فاخر جنابه ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها ' وغرابيب سود ' ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه كذلك ' انما يخشى الله من عباده العلمأ ان الله عزيز عفور (فاطر:۲۷۔۲۸)

''اے مخاطب کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے بلندی سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ رنگ برنگے پھل نکالے؟ اسی طرح پہاڑوں میں کچھ مختلف رنگوں کے سفید' سرخ اور بہت سیاہ ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ انسانوں' جانوروں اور چوپاؤں کے رنگ بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں (ان مظاہر ربوبیت کے ملاحظے کی بدولت) اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علماً ہی ڈر سکتے ہیں یقیناً اللہ سب پر غالب اور بخشنے والا ہے۔''

اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ مظاہر فطرت کے نظاموں میں سچے دل سے اور پوری غیر جانب داری کے ساتھ غور وخوض کرتے ہیں ان پر خدا کے وجود' اس کی وحدانیت' اس کی قدرت کاملہ اور اس کی ربوبیت وخلاقیت کا صحیح علم

منکشف ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر انہیں معرفت الٰہی پوری طرح حاصل ہو جاتی ہے۔ جو عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے اس بنا پر ان پر خوف وخشیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ عقلی واستدلالی ایمان روایتی ایمان سے زیادہ مستحکم و پائیدار ہوتا ہے، جس کو عقل وفلسفے کے تھپیڑے کسی بھی طرح متزلزل نہیں کر سکتے اور اس کے حاملین کے پائے ثبات کو لرزا نہیں سکتے۔

حاصل یہ کہ قرآن حکیم کی نظر میں اہل علم، دانشور، مفکرین اور علماً وہ لوگ ہیں جو علوم طبیعی کے ماہرین وہ متکلمین ہیں، جو مظاہر عالم کے ''سینوں'' کو چیر کر ان میں ودیعت شدہ ''خدائی آیات'' یا دلائل ربوبیت کو منظر عام پر لانے والے ہوں، کیونکہ صحیفہ فطرت کے ہر ہر ورق، اس کی ڈالی ڈالی اور بوٹے بوٹے پر خدائی آیات ونشانات منقش و مرتسم ہیں، جن سے ایک اندھا بہرا شخص ہی چشم پوشی کر سکتا ہے۔ یہ تمام مظاہر و موجودات اپنے عجیب وغریب اور حیرت انگیز نظاموں کے ذریعہ ایک عظیم اور برتر ہستی کے وجود اور اس کی وحدانیت کی خبر دے رہے ہیں، جس کا وجود تسلیم کئے بغیر عقلی واستدلالی حیثیت سے ان کی کوئی بھی تسلی بخش توجیہ وتاویل نہیں ہو سکتی۔ اور حیات وکائنات کے معمے حل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہر قدم پر انسانوں کی حیرتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف ''تخلیقی عجوبوں'' سے بھری یہ رنگا رنگ کائنات بھول بھلیوں سے کسی بھی طرح کم دکھائی نہیں دیتی، جب کہ اس میں ایک فوق الطبعی ہستی کا وجود تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآنی نظریہ علم کیا ہے؟

ان تمہیدی مباحث کے بعد اب اصل موضوع کی طرح رجوع کیا جاتا ہے۔ تکوینی یا نیچرل علوم کی قرآنی نقطہ نظر سے دو قسمیں ہیں: اول محسوسات یعنی حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم اور دوم معقولات جو محسوساتی علم کو بنیاد بنا کر دلیل واستدلال سے کام لینے والا ہے علم اول سائنس کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور علم ثانی کو ہم خصوصیت کے ساتھ فلسفہ یا کلام کہہ سکتے ہیں۔ پہلا علم جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ دوسرا کلیات پر۔ اور یہ دونوں اسلام کی نظر میں حجت ہیں۔ اور اس کی ایک اور قوی دلیل حسب ذیل آیت کریمہ ہے جس کے مطابق ''سمع وبصر'' (دیکھنے اور سننے) اور ''فواد'' (دل یا عقل) کو قابل مواخذہ قرار دیا گیا ہے۔

ان السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسوولا۔ (اسراء ۳۶)

''یقیناً سمع وبصر اور فواد ہر ایک قابل مواخذہ ہے۔''

اس آیت کریمہ میں سمع وبصر کو چونکہ محسوسات میں نمایاں حیثیت حاصل ہے اس لئے انہیں حواس خمسہ کے نمائندوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ فواد معقولات کی نمائندگی کر رہا ہے۔

چنانچہ امام رازیؒ تحریر کرتے ہیں کہ علوم یا تو حواس کا ذریعہ حاصل ہوتے ہیں یا عقل کے ذریعہ۔ تو یہاں پر قسم اول کی طرف سمع وبصر کے ذریعہ اشارہ کیا گیا اور قسم ثانی کی طرف فواد کا ذریعہ۔ پھر جو علوم عقل کا ذریعہ حاصل

ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک بدیہی اور دوسرا کسبی۔ (۱۴)

علامہ ابن تیمیہؒ نے سمع و بصر کو علم کا اصل سرچشمہ قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ انہی دو حاسّوں کی بدولت انسان چوپاؤں سے ممتاز ہے (۱۵)

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ محسوسات و معقولات قرآن کی نظر میں علم کے ذرائع ہیں جن سے انسان پر حجت قائم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ قابل مواخذہ ہیں بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اسی بنا پر کسی واقعہ کی غلط شہادت دینا بھی خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ (۱۶)

لہذا تجرباتی علوم میں اس سے مراد یہ ہے کہ تجربہ و مشاہدہ کرنے والے افراد اپنے نتائج فکر یہ کا ایمانداری اور پوری غیر جانبداری کے ساتھ اظہار و اعلان کریں اور اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کریں، ورنہ وہ ایک ''قول زور'' یا ''جھوٹی بات'' ہونے کی وجہ سے قابل مواخذہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ علم ایک خدائی امانت ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہونی چاہیے۔

غرض قرآن حکیم کی نظر میں جو لوگ مظاہر عالم اور ان کا نظاموں میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان میں موجودہ منطقی و آفاقی شہادتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بے بنیاد عقائد سے چمٹے رہتے ہیں وہ بہائم اور چوپاؤں کی طرح ہیں:

ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس لهم قلوب لايفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغافلون (اعراف-۱۷۹)

''اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنوں اور انسانوں کو پیدا کر رکھا ہے جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، جن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ لہذا یہ لوگ (اپنی بے بصیرتی کی بنا پر) چوپاؤں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہی لوگ غافل ہیں۔''

یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی بھی شرح کر رہی ہے جس کے مطابق سمع و بصر اور فواد کو قابل مواخذہ بتایا گیا ہے اس موقع پر فواد سے مراد دل یا عقل ہے۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم نوع انسانی کو نہ صرف یہ کہ موجودات عالم میں غور و فکر کر کے ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی دعوت دیتا ہے بلکہ انہیں مختلف طریقوں سے جھنجوڑتے ہوئے مشاہدے اور تعقل و تفکر پر بھی ابھارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ رویہ کسی بھی اندھی عقیدت کے خلاف ہے لہذا اسلام جیسے حقیقت پسند مذہب پر ''بے عقلی'' کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دراصل اسی نے نوع انسانی کو پہلی بار عقل و فکر کے ذریعہ تجربے و مشاہدے پر ابھارا ہے، تاکہ تجرباتی حقائق کی روشنی میں اسلام کے دعوے اور اس کے عقیدے کھرے ثابت ہوں۔

(جاری ہے)